امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی نگاہ میں تربیتی اصول

جعفر علی تبسم[1]

خلاصہ:

انسانی معاشرے کی اصلاح اور بہتری میں تعلیم اور تربیت کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ تربیت کے ذریعے کسی بھی قوم کے اچھے افکار، اخلاق اور ثقافت کو آنے والی نسلوں تک منتقل کر سکتے ہیں۔ انسان کے پوشیدہ استعداد اور صلاحیتوں کو نکھارنے کا نام تربیت ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف طریقے اور اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بچوں کی تربیت کے لئے سکولوں کے حوالے کرکے تمام تر تربیتی ذمہ دار انہیں قرار دیتے ہیں جس کے تمام تر خوبیوں کے باجود بچوں کے اخلاقی، فکری اور عبادی پہلووں کی تربیت میں کمی رہ جاتی ہے۔ ہم نے اس مقالے میں امیر المومنینؑ کے بیان کردہ تعلیم اور تربیت کے اصول کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔امام علیؑ کی تعلیم و تربیت کے اہم ترین اصولوں میں سے تربیت کرنے کا ذمہ دار والد، والدین کی خصوصیات کا بچوں کی تربیت میں تاثیر گذار، انسان کے تمام ابعاد کی تربیت، تربیت میں دوراندیشی اور متربی کے سن وسال کا خیال رکھنا قابل ذکر ہے۔

کلیدی کلمات: تعلیم وتربیت، پوشیدہ صلاحیت، تربیتی اصول، والد کی رفتار، فکری تربیت۔

---

[1] دانشجوی دکتری فقہ تربیتی، جامعہ المصطفیٰ العالمیہ، پاکستان۔

Jafarali125pk@gmail.com

تاریخ وصول: ۲۰۲۳-۴-۱۷

تاریخ تائید: ۲۰۲۴-۱-۲۰

مقدمہ

اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے انسان وہ مخلوق ہے جس کی صحیح تربیت ہو جائے تو وہ اشرف المخلوقات بن جاتا ہے۔ تربیت حاصل کرکے وہ رضوان الہی کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر انسان کی تربیت میں کوتاہی ہو تو وہ معلم شیطان بن سکتاہے اور اسفل السافلین میں جگہ مل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت انبیاء کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف انسان کی تعلیم اور تربیت بیان ہوا ہے، انبیاء کے بعد ان کے اوصیاء اور اولیاء نے بھی انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔انبیاء اور اولیاء کی زحمتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیم وتربیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ والدین اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے بہت ساری مشققتیں اور زحمات برداشت کرتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مختلف طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں ، مختلف تعلیمی اداروں میں منگی فیس ادا کرکے بھیج دیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا والدین کی زحمات اور مشققتیں اور تربیت کے لئے اپنائے گئے طریقہ کار امیر المومنینؑ کے اصول وروش کے ساتھ ہماہنگ مطابقت رکھتا ہے؟

اس مقالے میں ہم یہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ امیر المومنین کے ہاں تعلیم وتربیت کے اصول و قواعد کیا ہیں ؟ اس کے بعد خود قارین کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود دیکھ لیں کہ کیا ہماری روش اور اصول امیر المومنینؑ کے اصول کے مطابق ہے ؟ البتہ بعض جگھوں پر اشارہ کیاہے کہ ہمارے نظام تعلیم وتربیت میں کمی اور کاستی موجود ہے۔

مفہوم تربیت

کسی بھی تحقیق میں سب سے پہلے عنوان تحقیق کے اہم کلمات کی وضاحت ضروری ہوتی ہے اس لئے ہم نے مقالے کے گنجائش کا خیال رکھتے ہوئے ان کلمات میں سے صرف تربیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں :

تربیت کا لغوی معنی: اہل لغت کی کتابوں میں جستجو سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تربیت باب تفعیل کا مصدر ہے لیکن اس کا اصل فعل کے بارے میں اختلاف نظر ہے اور اس کے تین مختلف افعال بیان کئے جاتے ہیں:

(الف): پہلا فعل ناقص واوی سے ہے یعنی جس کا اخری حرف، حرف علت ہو (واو ی) جیسے **"ربا الشئی یربوا ربوا ای زاد ہ** و ونما" جس کا معنی ہے کسی چیز میں رشد و نمو آجانا، بڑھ جانا جیسے معجم مقاییس اللغہ نے یہی معنی بیان کیا ہے:

"و هو الزِّیادة و النَّماء و العُلُو[1]" (جس کا معنی ہے کوئی بڑھ جانا، رشد حاصل کرنا اور بلندی حاصل کرنا)

اسی معنی میں قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے کہ سورہ حج میں آیا ہے: "فَإِذا أَنْزَلْنا عَلَيْهَا الْماءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ أَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيج[2]" (اور جب ہم اس زمین پر پانی برساتے ہیں تو یہ جنبش میں آجاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور مختلف اقسام کے پر رونق چیزیں اگاتی ہیں۔)

(ب) دوسرا فعل مہموز سے ہے یعنی اس کا آخری حرف ہمزہ ہے جیسے ربأ، یربؤ (مہموز الام) بعض اہل لغت نے اس کا معنی بھی کسی چیز کا بڑھ جانا، رشد حاصل کرنے کہا ہے جیسے اہل لغت میں سے صاحب معجم المقاییس نے یہی کہا ہے:

"الراء و الباء و الحرف المعتل و كذلك المهموز منه يدلُّ على أصلٍ واحد، و هو الزِّيادة و النَّماء و العُلُوّ.[3]"

---

[1]۔ ابن فارس، احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغۃ، ج۲، ص ۴۸۳۔
[2]۔ القرآن الکریم: ۵/۲۲۔
[3]۔ ابن فارس، احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغۃ، ج۲، ص ۴۸۳۔

جو فعل را، با اور حرف معتل (علت) اسی طرح وہ فعل جو مہموز (ہمزہ ہو) ہو وہ ایک ہی اصل اور معنی پر دالت کرتا ہے اوہ یہ ہے: جس کا معنی ہے کوئی بڑھ جانا، رشد حاصل کرنا اور بلندی حاصل کرنا۔)

ابن منظور نے اس بارے میں لکھا ہے: " رَبَأَ القومَ يَرْبَؤُهم رَبْأً، و ربَأَ لهم: اطَّلَعَ لهم على شَرَفٍ. [1]"

(رَبَأَ القوم اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کو اپنی قوم پر سرپرستی حاصل ہو تسلط حاصل ہو، کسی کو اپنی قوم کے بارے میں میں پوری آگاہی حاصل ہو)

معروف اہل لغت خلیل فراہیدی بھی اسی معنی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " رَبَأَ القوم على الشيء يَرْبَؤُونَ إذا أشرفوا عليه[2]" (کسی گروہ اور قوم کو کسی چیز پر تسلط اور حق نگرانی ملی (یہ اس وقت کہتے ہیں) جب اپنی قوم پر اشراف اور تسلط کامل حاصل ہو)

(ج) تیسرا فعل ربّ، یربّ (مضاعف) ہے کہ جس میں باء تکرار ہوئی ہے، بعض اہل لغت جو قرآن کے لغت شناس ہیں، کے خیال میں ربّ کا معنی ہی تربیت ہے جیسے کہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الرَّبُّ في الأصل: التربية، و هو إنشاء الشيء حالا فحالا إلى حدّ التمام، يقال رَبَّه[3]" (ربّ کا معنی اصل میں تربیت کرنا ہی ہے جس کا معنی ایک چیز کی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرنا کہ وہ چیز کمال تک پہنچ جائے تو اسے رب کہا جاتا ہے۔)

---

[1]۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب،، ج۱، ص ۸۲۔
[2]۔ فراہیدی، خلیل بن احمد، العین، ج۸، ص ۲۸۸۔
[3]۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن،، ص: ۳۳۶

اس کی دوسری باء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ تخفیف اور آسانی کی خاطر اس باء کو یاء میں بدل دیا ہے کیونکہ ربب کا باب تفعیل سے مصدر تو "تربیبہ" ہونا چاہئے تھا لیکن دوسری باء کو آسانی کی خاطر یاء میں بدل دیا ہے اس بناء پر تربیۃ مصدر بنا ہے۔

اس تیسری صورت کے تین اصل اور معانی بیان ہوئے ہیں البتہ غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں معانی ایک دوسرے کے قریب معانی ہیں، شاید مصادیق کی وجہ سے معنی میں مختصر تبدیلی آئی ہو۔ ہم پہلے اس کے معانی بیان کرتے ہیں:

۱۔ ابن فارس لکھتے ہیں:"**الراء و الباء یدلُّ علی أُصولٍ. فالأول إصلاح الشیءِ و القیامُ علیه**[1]"

(جو فعل راء اور (دو) باء پر مشتمل ہو اس کے متعدد اصول اور معانی ہیں ان میں سے پہلا معنی کسی شئی کی اصلاح کرنا، اور اس کی سرپرستی کرنا ہے۔)

۲۔ "و الأصل الآخرُ لُزوم الشیءِ و الإقامةُ علیه[2]"

(اس دوسرا معنی یہ ہے کسی چیز کے ساتھ ہمیشہ رہنا، ہمیشہ نگرانی کرنا)

۳۔ و الأصل الثالث: ضمُّ الشیء للشَّیء [3]"

(اس کا تیسرا معنی ایک چیز میں دوسری چیز کو سمو دینا اور ضم کرنا ہے۔)

مختصر یہ ہے کہ تینوں اصول کے معانی میں سرپرستی اور نگرانی کا معنی پایا جاتا ہے لہذا کسی چیز کی اصلاح، نگرانی، پسندیدہ صفات اس میں ڈالنے کا نام تربیت ہے۔

تربیت کے تینوں افعال کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تربیت جس فعل سے بھی مشتق ہو ان کے معانی ایک دوسرے کے بہت ہی نزدیک ہیں۔ تربیت "ربو" اور "ربا" سے

---

[1]۔ ابن فارس، احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغۃ، ج۲، ص۳۸۱۔
[2]۔ ایضا، ص۳۸۲۔
[3]۔ ایضا۔

مشتق ہونے کی صورت میں تربیت کا معنی کسی چیز کا بڑھ جانا، رشد حاصل کرنا، اور رفعت اور بلندی حاصل کرنے کو تربیت کہا جبکہ "ربّ" سے مشتق ہونے کی صورت میں کسی شخص، قوم یا کسی گروہ پر تسلط، سرپرستی اور نگرانی کا حق ملنے کو کہا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دو صورتوں میں نتیجہ تربیت کی طرف اشارہ ہوا ہے کیونکہ تربیت کے نتیجے میں رشد، بلندی اور رفعت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ تیسری صورت میں فعل مربی اور عمل مربی کی طرف اشارہ کر ہوا ہے کیونکہ تربیت کے تین ارکان ہیں۔ (۱)۔ متربی جس کی تربیت کی جاتی ہے، (۲)۔ مربی جس نے تربیت دینی ہے اور (۳)۔ عمل تربیت یعنی وہ امور جن کے انجام دہی یا ترک سے متربی میں رشد و نمو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا تینوں افعال میں سے ہر ایک تربیت کے ایک خاص رکن کی طرف اشارہ ہوا ہے لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تربیت جس مادہ اور فعل سے بھی مشتق ہوا اس کے ایک رکن کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ہاں خود تربیت کے لفظ سے جو مطلب سمجھ میں آتا ہے وہ تیسرے معنی کے ساتھ سازگار ہے یعنی تربیت مادہ ربّ سے مشتق ہوا ہو کیونکہ تربیت کا مطلب کسی کی پرورش کرنا، سرپرستی کرنا اور نگرانی کرنا ہے جو خود مربی اور تربیت کرنے والے کے فعل سے مربوط ہے، لہٰذا تربیت کو لفظ "رب" سے مشتق سمجھنا قرین قیاس ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ تربیت کرنے کے نتیجے میں متربی میں رشد و نمو آجاتا ہے اور بلندی اور رفعت حاصل ہوتی ہے لیکن لفظ تربیت سے یہ معانی ذہن میں نہیں آتا ہے۔

ہاں ایک بات کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ رشد و نمو اور بلندی اور رفعت کہنے سے عام طور پر مادی امور میں رشد اور رفعت ذہن میں آجاتی ہے جبکہ تربیت میں یقینا طور پر صرف مادی رشد او ر رفعت مراد نہیں ہے بلکہ انسان کے پوشیدہ استعداد کا بڑھانا، معنوی طور پر رفعت دینا اور بلندی حاصل کرنا تربیت کا حقیقی مفہوم ہے، لہٰذا معلّمین اور متربی حضرات کو یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے تربیت اس طرح دینی ہے کہ انسان کے پوشیدہ صلاحیت اجاگر ہو جائے لہٰذا کوئی ایسا کام مربی انجام نہ دے جس سے متربی میں موجود

صلاحیت ختم ہو جائے، بلکہ پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارنے کے رموز اور اصول اپنایا جائے تاکہ تربیت کا حق ادا ہو سکے اور جو صلاحیت متربی میں نہیں ہے جبری ٹھونسنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ خود متربی میں موجود صلاحیت کو نکھارنے کی کوشش کی جائے۔

تربیت کی تعریف

تربیت قدیم الایام سے دانشمندوں کے ہاں مورد بحث رہی ہے، اس لئے غیر مسلم دانشمندوں نے بھی اس کی مختلف تعریف کی ہے ان میں سے اکثر تعاریف دین مقدس اسلام کے تعلیمات کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ خود مسلمان دانشمندوں کے ہاں بھی ایک متفقہ تعریف نہیں ہے، ہر ایک نے اپنی نقطہ نظر سے تعریف کی ہے، ان تمام تعاریف میں سے چند مورد نظر دانشمندوں کے بیان کردہ تعاریف کا مقایسہ کرکے کمی کاستی کا پرکھنا نہایت مناسب تھا لیکن مقالے کی شرائط کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے سب سے بہترین تعریف کو یہاں بیان کرتے ہیں:

شہید مطہری تربیت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک زندہ موجود کے بالقوہ استعداد اور صلاحیتوں کی پرورش کرکے فعلیت اور کمال تک پہنچانے کو تربیت کہا جاتا ہے[1]۔"

اس تعریف کی روشنی میں چند نکات کی طرف توجہ لازمی اور ضروری ہے:

پہلا نکتہ: تربیت انسان کے اندر موجود صلاحیت اور استعداد کو نکھارنے کا نام ہے لہٰذا تربیت کا عمل شروع کرنے سے پہلے تربیت کرنے والے کو متربی کے اندر موجود صلاحیتوں اور استعداد کا جاننا ضروری ہے، تاکہ انہی صلاحیتوں کو ابھارا جاسکے۔ بدقسمتی سے بہت ساری تربیت گاہوں، مدرسوں اور خاص طور پر والدین کو ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کو ایسی چیز پر دباؤ ڈالا جاتا ہے جس کی صلاحیت بچے کے اندر نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالی نے ہر انسان میں ایک خاص قسم کی صلاحیت

---

[1] مطہری، مرتضی، تعلیم وتربیت در اسلام، ص ۴۳۔

رکھی ہے، اگر اس صلاحیت کی تشخیص ہو جائے اور اس کے مطابق تربیت حاصل ہو تو انسان اپنی صلاحیت کے بل بوتے نابغہ عصر بن سکتا ہے۔ جن لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نابغہ تھے ان کے بارے میں دانشمندوں کا یہی خیال ہے کہ انہوں نے اپنے اندر موجود صلاحیت کی تشخیص بر وقت کی اور اس کے مطابق کوشش کی جس کے نتیجے میں نابغہ روزگار بنے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کو سکولوں میں سب سے پہلے ایسے کھلونے دے جاتے ہیں جن سے بچے کے اندر موجود صلاحیتوں کی شناخت ممکن ہو پھر ان کی صلاحیتوں کو جانچنے کے بعد مناسب شعبوں میں تعلیم وتربیت کا موقع دیا جاتا ہے۔

دوسرا نکتہ: تربیت پرورش کا نام ہے، لہٰذا پرورش دباو اور پریشر میں نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ انسان کے اندر موجود صلاحیت کے لئے مناسب زمینہ فراہم کرنے سے اچھی پرورش ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال پودے کی سی ہے کہ اگر پودے کی پرورش کرنی ہو تو اس کی پرورش کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس میں قسم کی صلاحیت موجود ہے پھر اس صلاحیت کو نکھار نے کے لئے کس قسم کے آب و ہوا اور روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اگر صلاحیت کی تشیخص کے بعد اس کے نکھارنے کے لئے مناسب زمینہ فراہم کیا جائے تو وہ پودا خود بخود رشد کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کی صلاحیت کی شناخت کے بعد اسے نکھارنے کے لئے زمینہ فراہم کرنے سے انسان کے اندر موجود بالقوہ صلاحیت بالفعل ہوکے سامنے آنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک کامل انسان بن سکتا ہے۔

تیسرا نکتہ: تربیت بالقوہ صلاحیتوں کو بالفعل بنانے کا نام ہے، لہٰذا انسان کے اندر موجود مختلف صلاحیتوں کو ایک ساتھ تربیت دینے کی ضروری ہے، کیونکہ انسان کثیر الجہات مخلوق ہے، کثیر الجہات ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ اس میں مختلف جہات کی صلاحیتیں بھی ہیں۔ ان تمام جہات کو ہم زمان رشد نہ کرے تو اس انسان کی طرح ہو گا جس کے بدن کے اعضاء میں سے صرف ایک عضو رشد کیا ہو۔ یقینا ایسے انسان کو کامل انسان نہیں کہا جاسکتا۔ ایک کامل انسان

کی تربیت کے لئے تمام جہات اور ابعاد کی صلاحیتوں کو ہمزمان تربیت دینا ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں بسا اوقات فکری رشد اور تعلیم وتربیت کے لئے بہت اہتمام کیا جاتا ہے لیکن احساسات، اعتقادات، اخلاقیات، عبادات اور اجتماعی پہلوں کی تربیت کا خاطر خواہ اہتمام نہیں کیا جاتا ہے جس کا خمیازہ بعد میں پورے معاشرے کو بھگتنا پڑتا ہے۔

چوتھا نکتہ: تربیت بر وقت کی جائے۔ انسان کے اندر موجود صلاحیتوں کے نکھارنے کے لئے مناسب ٹائم ہوتا ہے اگر اس ٹائم پر ان صلاحیتوں کو نکھارا نہ جائے تو پھر جیسے ماحول اور زمینہ اسے فراہم ہوتا ہے اسی کے مطابق انسان کی صلاحیتیں بالفعل میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے بعد تربیتی عمل کارساز نہیں رہتا ہے۔ شاید امیر المومنین کا یہ قول اسی نکتے کی طرف اشارہ ہو کہ جس میں آپ نے فرمایا:

وَ إِنَّمَا قَلْبُ الْحَدَثِ كَالْأَرْضِ الْخَالِيَةِ مَا أُلْقِيَ فِيهَا مِنْ شَيْءٍ قَبِلَتْه فَبَادَرْتُكَ بِالْأَدَبِ قَبْلَ أَنْ يَقْسُوَ قَلْبُكَ وَ يَشْتَغِلَ لُبُّك [1]"

(کیونکہ کم سن کا دل اس خالی زمین کے مانند ہے جس میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اسے قبول کر لیتی ہے، لہٰذا قبل اس کے کہ تمہارا دل سخت ہو جائے اور تمہارا ذہن دوسری باتوں میں لگ جائے میں نے تعلیم وتربیت دینے کے لئے قدم اٹھایا۔)

لہٰذا تربیت کا بہترین وقت کم سنی ہے جس طرح عمر کے اسی مرحلے میں انسان کا جسم رشد کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے بلکل اسی طرح انسان کے اندر موجود دوسرے استعداد اور صلاحیتیں بھی رشد اور نمو کے مراحل میں ہوتی ہیں۔ اس بنا پر انسان کی عمر کا یہی وہ حصہ ہے جس میں انسان تربیت کے مراحل سے گزر کر کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ عمر کے اس مرحلے سے گزرنے کے بعد پھر دل اور دماغ کسی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔

تعلیم وتربیت کی ضرورت اور اہمیت

---

[1] سید الرضی، محمد بن حسین، نہج البلاغہ (ترجمہ: مفتی جعفر)، مکتوب، ۳۱۔

تربیت کے مفہوم سے یہ بات واضح ہوئی کہ تربیت قابل رشد چیزوں کی ہوتی ہے لہٰذا جمادات قابل تربیت اور رشد نہیں ہے۔ کچھ مخلوقات ایسے بھی ہیں جو ایک خاص حد تک رشد کر سکتے ہیں اور صرف ایک جنبے میں رشد کرتے ہیں لہٰذا صرف اسی جنبے میں تربیت امکان پذیر ہے۔ تمام مخلوقات میں سے صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو متعدد ابعاد اور جہات سے رشد کر سکتی ہے اور ان تمام ابعاد اور جہات کی تربیت ممکن ہے اور انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ رشد وتربیت حاصل کرکے فرشتوں کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔

انسان کے علاوہ بعض حیوانوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی تربیت ہوتی ہے جیسے ایک کتے کی تربیت کرکے جاسوسی کا کام لیا جاسکتا ہے یا شکاری کا کام لے سکتا ہے لیکن حیوانوں کے تکامل کی ایک حد ہے اس حد سے زیادہ تربیت کے ذریعے آگے نہیں جاسکتے ہیں مثلاً حیوانوں کی تربیت کرکے انہیں انسانی صفات کا حامل نہیں بناسکتا، ان میں الٰہی صفات متجلی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یوں کہوں تو بجا ہوگا کہ حیوانوں کی صرف مادی جنبے کی تربیت ہوتی ہے کہ ایک حد تک اس میں موجود غرائز کی تقویت ہو سکتی ہے اور وہ بھی ہر قسم کے کتے میں یہ صلاحیت پائی نہیں جاتی ہے بلکہ اس کی نسل ہی الگ ہوتی ہے مثلاً جس کتے کو جاسوسی کے لئے تربیت دی جاتی ہے وہ عام کتوں کے نسل سے نہیں ہوتا اسکی نسل ہی الگ ہوتی ہے، اس کتے کے اندر غریزہ بو یائی یا حس شامہ کافی حد تک اضافہ کر سکتا ہے اسی حس کی مزید تمرین کرکے اسی کو تقویت دی جاتی ہے، اس سے زیادہ اس میں رشد کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ لیکن انسان کے متعدد ابعاد قابل رشد ہے انسان کے فکری، عملی، اجتماعی، انفرادی، اعتقادی، عبادی، سیاسی، اجتماعی، خانوادگی اور دیگر ابعاد کی تربیت ممکن ہے نہ صرف قابل تربیت ہے بلکہ اگر درست سمت کی طرف تربیت نہ ہو تو ماحوال اور دیگر پیش آمدہ مواقع کے پیش نظر غلط اور بے راہ چلا جاتا ہے۔ رشد ونمو کی یہ صلاحیت انسان کے صرف ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان میں صلاحیت پائی جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالی نے انسان کے اندر یہ خصوصیت رکھی ہے

کہ وہ تربیت پا کر فرشتہ صفت بن سکتا ہے، نہ صرف فرشتہ صفت بن سکتا ہے بلکہ اللہ کی صفات کے مظہر بن سکتا ہے۔

تربیت نہ ملنے کی صورت میں حیوان تو اپنی حیوانیت میں باقی رہتا ہے، بے تربیت حیوان سے اس کے غرایز کے عین مطابق افعال سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ انسان کی تربیت میں کوتاہی ہونے کی صورت میں انسان اپنی انسانیت کے حدود سے نکل جاتا ہے نہ صرف دائرہ انسانیت سے نکل جاتا ہے بلکہ دائرہ حیوانیت سے بھی نکل کر درندہ صفت مخلوق بن جاتا ہے۔ حیوان پیٹ بھر کے کھانے کے بعد ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، حیوان سیر ہونے کے بعد دوسروں کے منہ سے نوالہ نہیں چھینتا لیکن انسان کی تربیت نہ ہو تو پھر اپنی پیٹ بھرنے کے بعد بھی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، سیر ہونے کے باوجود دوسروں کے منہ سے نوالہ چھین لیتا ہے ایسے بے تربیت انسان کی نفسیات کے پیش نظر قرآن نے کہا:

" لَهُمْ قُلُوبٌ لا يَفْقَهُونَ بِها وَ لَهُمْ أَعْيُنٌ لا يُبْصِرُونَ بِها وَ لَهُمْ آذانٌ لا يَسْمَعُونَ بِها أُولئِكَ كَالْأَنْعامِ بَلْ هُمْ أَضَل[۱]"

(ان کے پاس دل تو ہے مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے،)

ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے یعنی ایسے انسان کی رفتار اور کردار حیوانوں سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کے اندر انسانی خصلت زندہ رکھنے اور انسانی اقدار کے پابند رکھنے کے لئے تربیت ایک لازمی امر ہے۔

انسان اور حیوان کی تربیت میں فرق

---

[۱]۔ القرآن الکریم: ۷/۱۷۹۔

بعض حیوانوں کی محدود حد تک تربیت کرنے اور انسان کی تربیت کرنے میں اصول اور روش تربیت کے لحاظ سے بھی بنیادی فرق ہے۔ حیوانوں کی تربیت کرنے کا مقصد اس کی رفتار مطلوب ہوتی ہے، رفتار کے علاوہ ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتا ہے کہ اس کے غرایز وافکار میں کیا چیز گزرتی ہے۔ اس کے احساسات اور وجدان کی میں کیا ہے، کیونکہ ان کی تربیت سے رفتار مطلوب ہوتی ہے اس لئے اس کی رفتار کی تشویق اور تنبیہ کی جاتی ہے تاکہ مطلوبہ اہداف تک پہنچ سکے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے تربیت کرنے والے مربی کا زیادہ تر دہان اور تمرکز اس روش تربیت پر ہوتا ہے۔ بعض لوگ انسان کی تربیت کے لئے بھی یہی روش اپناتے ہیں جو کہ تربیت کی درست اور صحیح روش نہیں ہے۔ تربیت کی یہ روش انسان ساز نہیں ہے بلکہ عادت ساز ہے جو کسی اچھے کام کی تشویق کرکے اس کام کا عادی بن سکتا ہے لیکن اس سے انسان کے افکار اور وجدان پر اثر انداز ہونا بہت بعید ہے، لہٰذا انسان کی درست تربیت کرنے کا طریقہ اس کی فکری تربیت سے شروع ہوجاتا ہے۔ فکری تربیت کے بعد وجدان، احساسات اور جذبات کی باری آتی ہے۔ افکار اور احساسات کی تربیت کے بعد عمل کی باری آتی ہے جو کہ پہلے دو مرحلے میں فکر اور احساسات کی اچھی طرح سے تربیت ہو تو عمل اور رفتار خود بخود درست ہوجاتی ہے۔ ہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جب فکری اور احساساتی تربیت میں ترتیب بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تینوں ابعاد کی تربیت میں فاصلہ زمانی پایا جاتا ہو یعنی جب تک فکری تربیت نہ ہو احساسات اور رفتار و عمل سے صرف نظر کیا جائے۔ بلکہ فکری اور احساسات کی تربیت کی اہمیت مقدم اور زیادہ اہم ہونا مراد ہے، ایسی لئے دین مقدس اسلام میں اصول دین کو فروع دین پر تقدم حاصل ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فروع کی ضرورت نہیں ہے یا ضرورت کم ہے بلکہ اصول کی اہمیت فروع سے زیادہ ہونا مراد ہے۔ لہٰذا فکر اور احساسات کی تربیت کے بغیر عمل اور رفتار کی تربیت کرنا درحقیقت ایک سطحی تربیت شمار ہوتی ہے ایسی تربیت اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔ تمام ابعاد تربیت میں فکری

تربیت کو وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔تربیت کی اصل روش، افکار اور احساسات کی تربیت سے شروع ہوتی ہے۔جس سے عمل کی تربیت خود بخود ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسان کی تربیت کا خاص اصول اور روش ہوتی ہے ہم یہاں پر تعلیم و تربیت کے وہ اصول بیان کرتے ہیں جو امام علیؑ نے بیان فرمایا ہے۔

تربیت میں وراثت کا اثر

عام طور پر ہمارے معاشرے میں بچے بڑے ہونے کے بعد تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اکثر لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ بچے کی تربیت ان ہوش سنبھالنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ کی روایات اوران کی سیرت خاص طورپر امیر المومنینؑ کی کلمات اور سیرت کی روشنی میں بچے کی تربیت کا اہتمام اس سے بہت پہلے کرنے کی تاکید ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک مومن کو اپنی شریک حیات کے انتخاب کے وقت بچے کی تربیت کا خیال کرنا چاہئے کیونکہ والدین کے خصوصیات بچوں میں ارث کے طور پر منتقل ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے حضرت سیدہ کونین سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد اپنے برادر عقیل سے مشورت کرتے ہوئے فرمایا:

" انظر الى امرأة قد ولدتها الفحولة من العرب لأتزوجها فتلد لي غلاما فارسا. فقاله تزوج ام البنين الكلابية فانّه ليس في العرب أشجع من آبائها. فتزوجها[1]"

(میری کسی ایسی خاتون سے منگنی کرو جو عرب کے پہلوان قبیلے سے تعلق رکھتی ہو تاکہ میں اس سے شادی کروں اور اللہ تعالی مجھے ان کے ساتھ شجاع بیٹا دے۔اس وقت عقیل نے کہا: کلابیہ قبیلہ کے ام البنین نامی خاتون سے شادی کرو کیونکہ عرب میں ان کے اباء واجداد سے بڑھ کے کوئی شجاع نہیں ہے۔اس پر آپ نے ان کے ساتھ شادی کی۔)

---

[1]۔ابن عنبۃ، سید جمال الدین احمد بن علی، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب،، ص۳۵۷۔

امیر المومنینؑ جانتے تھے کہ اولاد کی تربیت میں ماں باپ کے اندر موجود خصوصیات اور صفات نہایت موثر ہوتی ہیں اس لئے اپنے بھائی عقیل سے اس بارے میں مشورت لی اور اس کے مطابق شادی کی جس کے نتیجے میں عباس جیسے قمر بنی ہاشم اللہ تعالی نے آپ کو عطا کیا، لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ ماں اگر شجاع خاندان سے ہو تو اولاد بھی باشجاعت ہوتی ہیں لیکن اگر ماں ڈرپوک اور بزدل خاندان سے ہو تو اولاد بھی بزدل ہوتی ہیں۔ ہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اولاد کے شجاع ہونے کے لئے ماں کا باشجاعت خاندان سے ہونا کافی نہیں ہے بلکہ گھر کے ماحول ماں باپ کا کردار اور دیگر امور بھی موثر ہوتے ہیں لیکن ان سب میں جو چیز سب سے زیادہ موثر ہے وہ ماں ہے۔ اسی طرح ماں اور باپ دوسری خصوصیات اور صفات بھی اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

" إِيَّاكُمْ وَ خَضْرَاءَ الدِّمَنِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ مَنْ خَضْرَاءُ الدِّمَنِ قَالَ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ فِي مَنْبِتِ السَّوْءِ[۱]"

(خضراء الدمن سے پرہیز کرو۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ خضراء الدمن کون ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ عورت جو خوبصورت تو ہو لیکن برے ماحول میں پلی بڑی ہو۔)

والدین کے باطنی صفات نا ملموس طور پر اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، اگر والدین اچھی صفات کے مالک ہوں تو بچے میں بھی وہ صفات کافی حد تک آجاتی ہیں اور یہی صفات تربیت کے لئے مد و مددگار ثابت ہو جاتی ہیں لیکن خدا نخواستہ والدین میں بری صفات ہوں تو بچے میں بھی وہ صفات آجاتی ہیں جس کی وجہ سے تربیت میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے امیر المومنینؑ نے فرمایا:

۱۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول الکافی، حدیث ۴، ۷ ۹۴۔

إِيَّاكُمْ وَ تَزْوِيجَ الْحَمْقَاءِ فَإِنَّ صُحْبَتَهَا بَلَاءٌ وَ وُلْدَهَا ضِيَاعٌ"[۱] (احمق اور کم عقل عورتوں سے شادی کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ ان کی ہم نشینی بلاء اور آزمائش اور ان کے بچے کا ضایع ہے۔)

یہ بات کسی حدتک قابل مشاہدہ بھی ہے کہ اچھے کردار خاتون کے بچے بھی اچھے ہوتے ہیں جبکہ بد کردار عورت کے بچے بھی معمولا بد کردار ہوتے ہیں۔البتہ اس کی وجہ وراثت کے علاوہ والدین کا بچوں کے لئے نمونہ عمل ہونا بھی ہے ۔ دانشمندوں کے مطابق وراثت کے علاوہ تربیت کے لئے ایک موثر چیز نمونہ عمل اور آئیڈل ہے۔ بچے عام طور پر اپنے ماں باپ کو ہی آئیڈل سمجھتے ہیں اس لئے والدین کے ہر عمل کو خود بھی انجام دیتے ہیں۔ اچھے والدین کے بچے اچھے کام انجام دیتے ہیں جبکہ بد کردار والدین کے بچے برے کام انجام دیتے ہیں کیونکہ والدین کو اپنے لئے نمونہ عمل سمجھتے ہیں اس لئے ان کے کردار کو اپنانا عیب شمار نہیں کرتے ہیں۔ ائمہ معصومین اور امیر المومنینؑ نے اسی بات کے پیش نظر حفظ ما تقدم کرتے ہوئے شادی سے پہلے مرد اور عورت کو ایک دوسرے میں موجود خصوصیات اور کردار دیکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ امیر المومنین کے تربیتی اصولوں میں سے ایک نہایت اہم اصول ہے۔

تربیت کا ذمہ دار

ہمارے معاشرے میں عام طور پر تربیت کے لئے بچوں کو سکولوں اور مدرسوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔ سکول اور مدرسوں کے حوالے کرکے والدین یہی سمجھتے ہیں کہ ہم تربیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ امیر المومنینؑ کے تربیتی اصولوں کی روشنی میں تربیت کے لئے

[۱]۔ ایضا، باب ثلاثون، حدیث ۹۵۵۰۔

سکول بھیجنا کافی نہیں ہے بلکہ خود والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کا خود خیال رکھیں جیسے کہ آپ کے گہر بار کلمات میں آیا ہے:
" حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ أَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ وَ يُحَسِّنَ أَدَبَهُ وَ يُعَلِّمَهُ الْقُرْآن[1]"

(فرزند کا باپ پر حق یہ ہے کہ اس کا نام اچھا تجویز کرے، اچھے اخلاق و آداب سے آراستہ کرے اور قرآن کی اسے تعلیم دے۔)

ایک اور جگہے پر آپ فرماتے ہیں:
" مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَداً نُحْلًا أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَن[2]"

(باپ کا اپنے بیٹے کے لئے اچھی تربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہے۔)

لہٰذا امیر المومنینؑ کے رہنما اصول کے مطابق تربیت کرنے کا اصل فریضہ والد کا وہ ہے۔ قرآن کی آیات کی روشنی میں بھی گھر کے امور کی سربراہی باپ کو حاصل ہے[3]، ہمارے معاشرے میں بھی کافی حد تک یہ بات ملموس ہے کہ باپ بچوں کے امور کا چلاتا ہے اسی لئے باپ بچوں کی نظر میں نمونہ عمل کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا باپ کی ذمہ داری بنتی ہے تربیت امور بھی انجام دے۔ نان و نفقہ کی ذمہ داری پر اکتفاء نہ کرے۔ اس کے علاوہ تربیت صرف سبق سکھانے کا نام نہیں ہے، سکول میں سبق سکھایا جاتا ہے جس سے ممکن ہے بچے کی فکری پہلو کی تربیت ہو لیکن ایک بچے کے تمام ابعاد کی تربیت کے لئے سکول اور استاد کافی نہیں ہے، اسی لئے بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ کسی سکول کی اچھی کارکرگی کی وجہ سے بچوں کو اس میں تعلیم کے لئے داخلہ کرواتے ہیں لیکن سکول اپنی پالیسی کے تحت مختلف افکار کے استاذہ تعینات کرتے ہیں۔ سکول کے ماحول گھر کے ماحول سے یکسرہ مختلف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بچے سبق تو سیکھ لیتے ہیں کسی حد تک فکری تربیت ہوتی ہے۔ لیکن اعتقادی اور اخلاقی اعتبار سے انحطاط کا شکار ہوجاتے ہیں بسا

---

[1] ۔ سید الرضی، محمد بن حسین، نہج البلاغہ، (ترجمہ: مفتی جعفر) حکمت، ۳۹۹۔
[2] ۔ نوری، حسین بن محمد تقی، مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل، حدیث ۱۷۸۷۲۔
[3] ۔ القرآن الکریم: ۳۴/۴۔

اوقات بچے ذہنی طور پر تشویش کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ بچے ایک قسم کی تضاد کا سامنا ہوتے ہیں، گھر میں والدین کچھ کرتے ہیں جبکہ مدرسہ میں بلکل اسی کے برعکس کہا جاتا ہے۔ لہٰذا والدین خاص طور پر والد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خیال رکھے کہ بچے کی فکری تربیت سکول میں کس طرح ہوتی ہے، آیا بچے کی فکری تربیت کے ساتھ اخلاقی اور اعتقادی تربیت کا سکول میں بندوبست ہوتا ہے یا نہیں؟ نہیں تو والدین کو چاہیئے کہ ان پہلوں کی تربیت کے لئے متبادل راہ حل تلاش کی جائے۔

اس کے علاوہ تربیت کا ذمہ دار والدین کی قرار دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بچے جس جگہ ابتدائی رشد کرتے ہیں جہاں ان کے حواس پنجگانہ ادارک کا عمل انجام دینے لگتا ہے وہ گھر اور گھر کا ماحول ہے اگرچہ اس دوران انہی امر و نہی نہیں کی جاتی ہے انہیں کچھ کرنے کو نہیں کہا جاتا لیکن بات سے زیادہ عمل اور کردار تربیت پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے گھر کا ماحول، والدین کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاو، والد کا کردار اور رفتار اولاد کی تربیت میں بہت موثر ہے لہٰذا امیر المومنینؑ کے تربیتی اصول کے مطابق والد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان تمام امور کا خیال رکھے

تمام ابعاد انسانی کی تربیت

یہ بات مسلم ہے کہ انسان صرف بعد مادی سے تشکیل شدہ نہیں ہے۔ تعلیمات اسلامی کے مطابق انسان کے مادی بعد کے علاوہ معنوی اور روحی بعد بھی ہے، لہٰذا انسان کی مادی ضروریات کی طرح انسان کی روحی اور معنوی ضروریات بھی ہیں۔ کامیاب والدین اپنے بچوں کی دونوں ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اور ان کو پورا کرتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں عام طور پر بچوں کی صرف مادی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا ہے کہ ان کے جسم میں کمزوری اور ضعف نہ رہے، اس لئے حلال و حرام کا خیال رکھے بغیر ان کو کھلاتے ہیں، اگر سکول بھی بھیجتے ہیں تو بچوں کے ذہن میں یہی ڈال دیا جاتا ہے کہ تم نے پڑھ لکھ کر پیسے کمانا ہے، پڑھنے میں کوتاہی کی تو بھوکا رہے گا۔ یہی

وجہ ہے کہ ہمارے کالج یورنیوسٹیوں کے پڑھے لکھے معاشرے میں آکر درندگی، چوری اور مالی بدعنوانی جیسے قبیح افعال کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرہ تعادل میں نہیں رہتا۔ کیونکہ تربیت کے وقت ان کے ذہن میں مادی امور کے علاوہ انسانی اور معنوی امور نہیں ڈالا ہے۔ کاش علم کو علم سمجھ کر، فکری رشد سمجھ کر، نور سمجھ کر، خود شناسی اور خدا شناسی کا ذریعہ سمجھ کر پڑھایا جاتے تو ہمارے بچے معاشرے میں انسانی صفات اور الٰہی صفات کا مظہر ہوتے۔ امیر المومنینؑ تربیتی امور میں انسان کے تمام ابعاد کی طرف توجہ دیتے تھے۔ جیسے کہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے امام حسنؑ سے فرمایا:

" يَا بُنَيَّ أَ لَا أُعَلِّمُكَ أَرْبَعَ خِصَالٍ تَسْتَغْنِي بِهَا عَنِ الطِّبِّ فَقَالَ بَلَى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ لَا تَجْلِسْ عَلَى الطَّعَامِ إِلَّا وَ أَنْتَ جَائِعٌ وَ لَا تَقُمْ عَنِ الطَّعَامِ إِلَّا وَ أَنْتَ تَشْتَهِيهِ وَ جَوِّدِ الْمَضْغَ وَ إِذَا نِمْتَ فَاعْرِضْ نَفْسَكَ عَلَى الْخَلَاءِ فَإِذَا اسْتَعْمَلْتَ هَذَا اسْتَغْنَيْتَ عَنِ الطِّبِّ.[1]"

(اے میرے عزیز بیٹے کیا میں تمہیں ایسی چار چیزوں کی تعلیم نہ دوں جو تجھے ڈاکٹر سے بے نیاز کریں؟ امام حسنؑ نے فرمایا: جی مولا آپ مجھے تعلیم دیں۔ توآپ نے فرمایا: جب تک بھوک نہ لگے دستر خوان پر مت بیٹھو، تھوڑی سے خواہش کے باوجود دستر خوان سے کھڑے ہو جاو، لقمے کو اچھی طرح چباکے کھاو، سوتے وقت بیت الخلاء جاکے سوجاو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم طبیب اور ڈاکٹر سے بے نیاز ہوگا۔)

سطحی نظر سے دیکھا جائے توایسا لگتاہے کہ امام نے اس گہربار کلمات میں مادی جنبہ کی پرورش اور تربیت کو ملحوظ نظر رکھاہے۔ کیونکہ کھانے اور پینے سے انسانی مادی جسم کی رشد اور تربیت ہوتی ہے لیکن اگر ہم اسی روایت میں غور وفکر سے کام لیں تو معلوم ہوتاہے امام نے مادی جنبہ کے علاوہ معنوی اور روحانی جنبے کی تربیت کا بھی خیال رکھا ہے کیونکہ کھانے کی خواہش

---

[1] ۔ صدوق، محمد بن علی، الخصال، ج۱، ص۲۲۹۔

رکھتے ہوئے کھانے سے ہاتھ اٹھانا جس طرح انسان کے جسم کی تندرستی اور سلامتی کے لئے موثر ہے اسی طرح خواہشات نفس پر غالب آنے کی مشق بھی ہے۔اس طرح انسان معنوی طور پر بھی طاقتور ہو جاتاہے اوراس میں یہ قدرت آتی ہے کہ ہر وقت اپنی خواہشات نفسانی کے برخلاف اقدام کرے۔ انسان کا وجود بنیادی طور پر مادہ اور روح سے تشکیل پایاہے لیکن تربیتی حوالے سے انسان کے ابعاد صرف انہی دو میں منحصر نہیں ہے۔ بعض دانشمندوں کے مطابق انسان کی تربیتی ابعاد متعدد ہیں۔اگرچہ ان تمام تربیتی ابعاد کا سرچشمہ یہی بعد مادی اور روحی ہے جس طرح انسان کے بہت سارے احساسات کا سرچشمہ اس کا بعد مادی ہے اسی طرح بہت سارے احساسات اور جذبات کا سرچشمہ بعد معنوی ہے۔

امیر المومنینؑ کے کلمات میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ آپ نے انسان کی تربیت کے تمام ابعاد کا خیال رکھاہے۔ یہاں اجمالی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے تربیتی اصولوں میں سے ایک انسان کے تمام ابعاد کا خیال رکھنا ہے۔

تربیت میں دور اندیشی

زمانے کے حالات وقت گزرنے کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں۔ وقت اور زمان کے حالات اور واقعات انسان کے اعتقادات ، آداب اور رسوم میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اعتقادات اور دینی رسومات سے متعلق بہت ہی کم شبہات ایجاد نہیں ہوتے تھے لیکن زمانے کی ترقی اور ٹیکنالوجی کے توسط سے مختلف افکار رکھنے والے لوگوں سے ارتباط آسان ہوا ہے جس کی وجہ سے اسلامی بنیادی اعتقادات کے علاوہ دوسرے دینی رسومات سے متعلق نئی نسل کے اذہان میں شبہات ڈالے جاتے ہیں لہٰذا والدین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان کے زمانے کے مطابق تربیت کریں تاکہ وہ مختلف شبہات کے مقابلے میں اپنی دینی اعقادات سے ہاتھ نہ اٹھاسکے بلکہ ان شبہات کا منطقی اور عقلی جواب دینے کے قادر ہوں۔ لہٰذا کامیاب والدین وہ ہیں جو تربیت کے دوران اس بات کاخیال رکھیں کہ ان کے بچے مستقبل کے لئے پیدا

ہوئے ہیں ان کو ان کے زمانے کے مطابق تربیت دیں۔ امیر المومنینؑ کے تربیتی اصولوں میں ایک اصول ہمیں یہی دور اندیشی نظر آتی ہے کہ آپ بچوں کو ان کے زمانے کے مطابق تربیت کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" لا تقسروا أولادكم على آدابكم فإنهم مخلوقون لزمان غير زمانكم[1]"

(اپنے بچوں کو تمہارے آداب پر مجبور مت کرو کیونکہ یہ اپنے زمانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں تمہارے زمانے کے لئے نہیں۔)

لہٰذا والدین یا مربی میں دور اندیشی کی صفت ہونا ضروری ہے کہ انہیں معلوم ہو کہ بچوں کو ان کے زمانے کے مطابق تربیت کرنے کے لئے کون سے امور کا خیال رکھنا چاہئے۔

موازنہ اور مقایسہ سے دوری

ہر مربی کے لئے تربیتی اصول اور ضوابط سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔خاص طور پر والدین کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ بسا اوقات نادانی میں والدین اولاد کی تربیت کی بجائے مزید خراب کرتے ہیں۔ معاشرے میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک اپنے بچے کا دوسرے بچوں کے ساتھ موازنہ کرنا ہے، ہماری تربیت گاہوں میں بھی بسا اوقات یہ کام ہوتا ہے، کچھ بچوں کی تشویق کے نام سے دوسرے بچوں میں احساس کمتری اور ناکامی ایجاد کرتے ہیں۔جب بچے سے کہا جاتا ہے: فلاں کے بچے کو دیکھو، اس نے فلاں کام کیا، امتحان میں اتنا نمبر لیا۔ والدین تو چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ بھی اس کی طرح بنے لیکن اس کام سے نہ صرف ان کا بچہ دوسرے کی طرح نہیں بنتا بلکہ بچہ اپنے اندر ایک قسم کی ناکامی اور نالائقی محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رہتی ۔ ہمیں امیر المومنین کی سیرت میں یہ بات نظر آتی ہے کہ آپ بچوں کو آپس میں کبھی بھی مقایسہ اور موازنہ نہیں کرتے تھے کیونکہ ہر بچے میں اللہ نے الگ خصوصیت رکھی ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتی

---

[1]۔ ابن ابی الحدید، عبد الحمید، شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید، ج۲۰، ص۲۶۷۔

ہے۔ کہیں پر کوئی ایسا موقع آجاتا تھا جس سے خود بخود موازنے کی فضا بن جاتی اور بچے خود موازنہ کرنے لگتے تو آپ اچھی توجیہ بیان کرکے بچوں کے اذہان مطمئن کرتے تھے۔ جنگ جمل میں جب محمد حنفیہؒ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے سے ناکام واپس آیا تو اس بار امام حسنؑ تشریف لے گئے اور اونٹنی کے ٹانگیں کاٹ کر فتنے کو دفن کیا اس وقت محمد حنفیہؒ نے اپنے دل میں احساس کمتری محسوس کی اور چہرے پر اس کے آثار نمایاں ہوئے تو آپ نے محمد حنفیہؒ کے دل سے اس احساس کو نکالنے کے لئے فرمایا:

"لَا تَأْنَفْ فَإِنَّهُ ابْنُ النَّبِيِّ وَ أَنْتَ ابْنُ عَلِيٍّ[۱]."

(غمگین مت ہو جاو حسن رسول اللہ کے بیٹے ہیں تم میرا بیٹا ہو۔)

یعنی احساس شرمندگی مت کرو کیونکہ حسن میں میرے علاوہ پیغمبر اکرم ﷺ کی شجاعت کا حصہ بھی ہے جبکہ تمہارے اندر صرف میری شجاعت کا حصہ ہے اور معقول سی بات ہے کہ جسے میں صرف باپ کی طرف سے شجاعت ارث میں ملی ہو اس کی طرح نہیں ہو سکتا جسے ماں باپ دونوں کی طرف سے شجاعت وارثت میں ملی ہے۔ لہٰذا امیر المومنینؑ کے اہم ترین اصول تربیت میں سے ایک بچوں کا آپس میں موازنہ نہ کرنا ہے۔

متربّی کے سن وسال کا خیال

یوں تو انسان کی عمر کے ہر حصے میں تربیت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن تاثیر گذار ہونے میں فرق ہوتا ہے، عمر کے ایک حصے میں تربیت صرف تذکر کی حد تک ہوتی ہے کیونکہ اس عمر میں متربی میں نہفتہ موجود استعداد نکھارنے کا عمل انجام نہیں پاتا، جبکہ تربیت کی تعریف میں یہی کہا جاتا ہے کہ تربیت پوشیدہ صلاحیت کو بالفعل کرنے کا نام ہے، اسی لئے جوانی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد انجام دینے والے تربیتی عمل کو تربیت کی بجائے تبلیغ کہنا مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ تربیت کے لئے مناسب عمر کم سن قرار دیتے ہیں اور یہی سے معلوم

---

[۱]۔ ابن شہر آشوب مازندرانی، محمد بن علی، مناقب آل ابی طالب علیہم السلام، ج ۴، ص ۲۱۔

ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ کے تربیتی رہنما اصول میں سے ایک کم سنی میں تربیت کرنا ہے چنانچہ آپ نے امام حسن سے یہی فرمایا:

"إِنَّمَا قَلْبُ الْحَدَثِ كَالْأَرْضِ الْخَالِيَةِ مَا أُلْقِيَ فِيهَا مِنْ شَيْءٍ قَبِلَتْه فَبَادَرْتُكَ بِالْأَدَبِ قَبْلَ أَنْ يَقْسُوَ قَلْبُكَ وَ يَشْتَغِلَ لُبُّكَ لِتَسْتَقْبِلَ بِجِدِّ رَأْيِكَ مِنَ الْأَمْرِ مَا قَدْ كَفَاكَ أَهْلُ التَّجَارِبِ بُغْيَتَهُ وَ تَجْرِبَتَهُ فَتَكُونَ قَدْ كُفِيتَ مَئُونَةَ الطَّلَبِ وَ عُوفِيتَ مِنْ عِلَاجِ التَّجْرِبَةِ[۱]"

(کیونکہ کم سن کا دل اس خالی زمین کے مانند ہوتا ہے جس میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اسے قبول کر لیتی ہے لہٰذا قبل اس کے کہ تمہارا دل سخت ہو جائے اور تمہارا ذہن دوسری باتوں میں لگ جائے میں نے تعلیم دینے کے لئے قدم اٹھایا تاکہ تم عقل سلیم کے ذریعہ ان چیزوں کے قبول کرنے میں آمادہ ہو جاو کہ جن کی آزمائش اور تجربہ کی زحمت سے تجربہ کاروں نے تمہیں بچالیا ہے اور اس طرح تم تلاش کی زحمت سے مستغنی اور تجربہ کی کلفتوں سے آسودہ ہو جاوگے۔)

امامؑ کے ان کلمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ کم سنی میں ہی تربیت کی جا سکتی ہے، ادھیڑ عمر کے بعد انسان کا دل و دماغ تربیت کے لئے مناسب نہیں رہتا اسی لئے امام نے فرمایا کہ تمہارا دل سخت ہونے سے پہلے میں نے تمہاری تعلیم وتربیت کے لئے جلدی کی ہے، کم سن کا دل اس زمین کی مانند ہے جس میں جو بیج ڈالا جائے قبول کر لیتی ہے یعنی خود زمین میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مختلف قسم کے بیج کو قبول کر لے لہٰذا بیج بونے والے کے اوپر منحصر ہے کہ وہ کس چیز کا بیج بوتا ہے۔ اسی طرح کم سن کا دل بھی ہر قسم کی تربیت کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ تربیت کرنے والے مربّی کے اوپر منحصر ہے کہ وہ کیسے تربیت کرتا ہے اور کس چیز کو بچے کے دل میں ڈالتا ہے۔ کم سن کی مزید خصوصیات بیان کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

[۱] سید الرضی، محمد بن حسین، نہج البلاغۃ، (ترجمہ: مفتی جعفر) مکتوب، ۳۱۔

"وَ أَنْتَ مُقْبِلُ الْعُمرِ وَ مُقْتَبَلُ الدَّهْرِ ذُو نِيَّةٍ سَلِيمَةٍ وَ نَفْسٍ صَافِيَةٍ"[۱]

(تم نو عمر اور بساط دہر پر تازہ وارد ہو اور تمہاری نیت کھری اور نفس پاکیزہ ہے۔)

یہ ساری خصوصیات ایک انسان کی تربیت کے لئے شرط ہے جو کم سن اور کم عمر میں بطور اتم پائی جاتی ہیں۔ امام نے اسی مکتوب میں تربیت کی بہت سارے پہلو اور ان کے اصول کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں تربیت عبادی، تربیت اخلاقی، تربیت اعتقادی اور تربیت اجتماعی قابل ذکر ہیں۔ مقالے کی شرائط کے پیش نظر ان سب کے بارے میں تفصیل سے بحث نہیں کر سکتے لہٰذا اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مزید اصولوں کا تذکرہ بھی نہایت ضروری تھا جیسے تربیت کا خدا محور ہونا، آخرت محور، تواضع اور عاجزی پر مبنی تربیت اور قول سے زیادہ عمل پر مبنی تربیت، مقالے کی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے ان تمام اصولوں کے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

نتیجہ

[۱]۔ ایضا۔

کسی انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو آشکار کرنے کا نام تربیت ہے۔ تربیتی عمل میں تدریج اور تسلسل پایا جاتا ہے، ایک دفعہ سے تربیت کا عمل انجام نہیں پاتا۔ تربیت کی تعریف کی روشنی میں تربیت انسان کا خاصہ ہے دوسری مخلوقات میں تربیت اس معنی میں ممکن نہیں ہے۔ تربیت کے بغیر انسان حیوانوں سے بھی بدتر اور پست تر ہو جاتا ہے، امیر المومنینؑ کے تربیتی اصولوں کی روشنی میں اولاد کی تربیت کا ذمہ دار والدین خاص طور پر والد ہے، تربیت قبول کرنے اور نہ کرنے میں وارثت اور والدین کی نفسیاتی خصوصیات تاثیر گذار ہیں اس لئے شادی سے پہلے شریک حیات کے انتخاب میں دقت کرنے کی تاکید ہوئی ہے، اسی طرح امیر المومنینؑ کے تربیتی اصولوں میں ہمہ جہت تربیت، تربیت میں عاقبت اندیشی اور متربی کے سن و سال کا خیال نہایت اہم اصول ہیں۔

منابع و مآخذ

قرآن الکریم (ترجمہ شیخ محسن علی نجفی)

نہج البلاغۃ، (ترجمہ : مفتی جعفر)

۱. ابن ابی الحدید، عبد الحمید، **شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید**، قم، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی النجفی، ۱۴۰۴ق،

۲. ابن شہر آشوب مازندرانی، محمد بن علی، **مناقب آل ابی طالب** علیہم السلام ، قم، نشر علامہ، ۱۳۷۹ق ، سوم۔

۳. ابن عنبۃ، سید جمال الدین احمد بن علی، **عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب** ، قم، انصاریان، ۱۴۲۷ق

۴. ابن فارس، احمد بن فارس، **معجم مقاییس اللغۃ**، قم، ۱۴۰۴ق، چ اول۔

۵. ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، دار الفکر للطباعۃ و النشر و التوزیع- دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ق، چ سوم۔

۶. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **مفردات الفاظ القرآن**، بیروت، دار القلم-الدار الشامیۃ، ۱۴۱۲ق۔

۷. صدوق، محمد بن علی، **الخصال**، قم، جامعہ المدرسین،، ۱۴۰۴ق چ اول۔

۸. فراہیدی، خلیل بن احمد، **العین**، قم، نشر ہجرت، ۱۴۰۹ق چ ۴۔

۹. کلینی، محمد بن یعقوب، **اصول الکافی**، قم، دار الحدیث، ق ۱۴۲۹، چ اول۔

۱۰. مطہری، مرتضی، **تعلیم و تربیت در اسلام**، قم، انتشارات صدرا، ۱۴۰۰ق، چ ۲۔

۱۱. نوری، حسین بن محمد تقی، **مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل**، باب ، قم ، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام ، ۱۴۰۸ق، چ اول۔